

یگانہ روزگار، نادیرہ کار اور ہنر سے کہے نہ جانے  
ایکے دوشینہ کے کہانے  
سیاہ لباس میں سے اس کے داستانے اور آتش انگیزی ہو جاتی تھیں۔

<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>

## نیم ستر

خوش گوار ہوگی جن کے دل خوشیوں سے بھرے ہوں اور جو  
موسم کا لطیف اٹھانا چاہتے ہوں۔ ”ڈیانا نے بڑی حسرت سے  
ایک لمبی آہ کھینچی۔

”اوہ، میرے منہ میں خاک مس ڈیانا! آپ کے خاندان  
میں کوئی سانحہ تو نہیں ہو گیا ہے؟“ اینڈی نے جھجکتے ہوئے  
سوال کیا۔

”خاندان میں تو نہیں مگر موت کے ظالم ہاتھوں نے  
میرے.....“ ڈیانا نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ ”لیکن  
مسٹر اینڈی! آپ کو اپنا دکھ سنانے کا مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔“  
”کیوں نہیں پہنچتا۔ مجھے اپنی پریشانی بتائیے۔ شاید میں  
آپ کی بات سمجھ لوں اور آپ کا غم ہلکا کرنے کی کوئی سبیل  
کر سکوں۔“

ڈیانا ہولے سے مسکرا دی لیکن مسکراہٹ نے اس کے  
چہرے کی پڑ سردگی میں اضافہ کر دیا۔ ”ہم ہنستے ہیں تو دنیا  
ہمارے ساتھ ہنستی ہے۔“ ڈیانا نے کہا۔ ”لیکن جب ہم مغموم  
ہوں تو کسی کو ہماری پروا نہیں ہوتی، کوئی ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔  
یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس شہر میں میرا کوئی دوست، کوئی  
سہیلی نہیں ہے، بہر حال میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ  
میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے آپ نے ہم درد کی ظاہر  
کی۔ اس عنایت کا بہت بہت شکریہ۔“

”نیویارک جیسے بڑے شہر میں رہنا آسان نہیں۔“ اینڈی  
نے کہا۔ ”لیکن اگر یہ شہر کسی کو اس آجائے تو اس سے زیادہ اچھا  
دوست کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ نراندہ مانیں تو آئیے باغ  
میں چلیں۔ کیا آپ میرے ساتھ چہل قدمی پسند کریں گی؟  
ہو سکتا ہے، تازہ ہوا میں آپ کی طبیعت بہل جائے۔“

”شکریہ مسٹر اینڈی! میں ضرور چلوں گی لیکن مجھے یہ پسند  
نہیں کہ میرا غم آپ کو بھی رنجیدہ کر دے۔“  
”کاش میں آپ کا دکھ بانٹ سکوں۔“

دونوں ہوٹل سے نکل کے قریبی باغ میں آ گئے۔ راستے  
میں انہوں نے زیادہ بات نہیں کی۔ باغ کے ایک پر سون  
سب بنگ

وہ رات کا کھانا اُسی ہوٹل میں کھاتا تھا جس میں مقیم تھا۔  
ایک رات وہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھا رہا تھا۔ اُس نے  
ایک نئی مہمان کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک نوجوان  
خوش شکل لڑکی تھی۔ اُس کا قد چھوٹا تھا، وہ بھورے رنگ کا  
سادہ سا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اینڈی نے سر سے پاؤں تک اُس  
کا جائزہ لیا اور خاصا متاثر ہوا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کا نام ڈیانا ہے اور وہ بھی اسی  
ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے۔

پھر ڈائننگ ہال میں اکثر ڈنر کے وقت اُن کا آمنا سامنا  
ہونے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رسماً مسکرا دیتے۔  
انہوں نے کبھی ایک دوسرے سے مخاطب ہونے کی کوشش  
نہیں کی۔

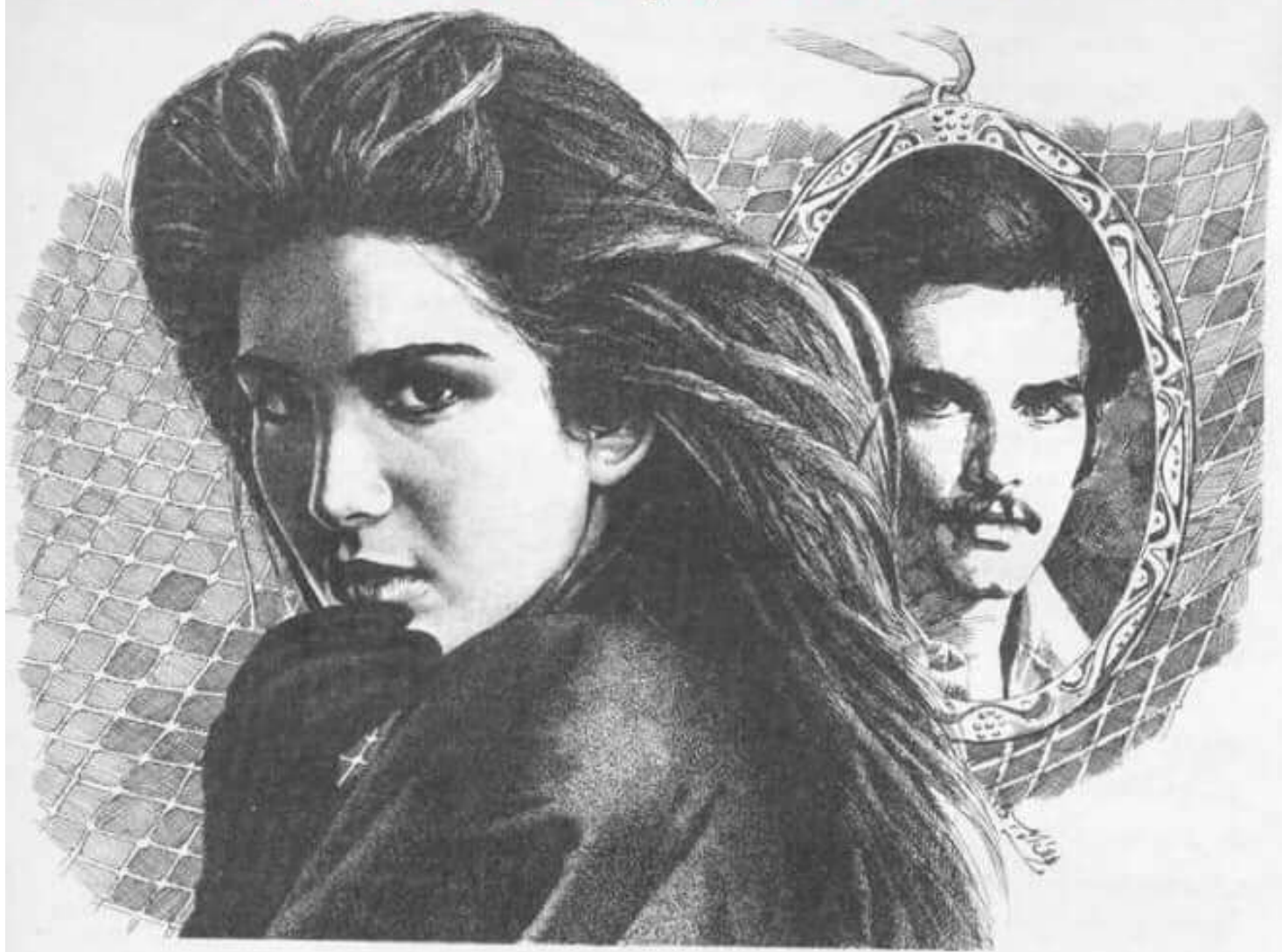
لڑکی کی آمد کے دو ہفتے بعد کا ذکر ہے، اینڈی ایک رات  
کھانے کے بعد ہوٹل کے لان میں کرسی پر بیٹھا ٹھنڈی ہوا سے  
لطیف اندوز ہو رہا تھا۔ یک لخت اُسے اپنے عقب میں  
سر سرابٹ سنائی دی۔ وہ لان میں تنہا تھا۔ اُس نے پلٹ کے  
دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ آنے والی دو شیزہ مس ڈیانا ہی تھی۔ اُس کا  
سر سیاہ مانتی لباس میں ڈھکا ہوا تھا، ہیٹ اور دستا نے بھی سیاہ  
تھے۔ البتہ اُس کی گھنٹی زلفیں چمک دار سنہری تھیں اور اُس کے  
شانوں پر لہر رہی تھیں۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں چھائی ہوئی  
اُداسی نے اُسے دل کش بنا دیا تھا۔ چہرے سے حزن و ملال ٹپک  
رہا تھا۔

لان میں آ کے وہ افسردہ نگاہوں سے آسمان کی طرف نکلنے  
لگی۔ اینڈی نے سوچا، اس قتالہ سے گفتگو میں پہل کا اس سے  
اچھا موقع کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اُنھ کر اُس لڑکی کی جانب بڑھا،  
نزدیک پہنچ کے اُس نے سرگوشی کی اور شائستگی سے کہا۔ ”آج  
کی رات کیسی خوش گوار ہے مس.....“

”میرا نام ڈیانا ہے۔“ وہ شائستگی سے بولی

”مجھے اینڈی کہتے ہیں۔“

”ہاں مسٹر اینڈی! آج کی رات اُن لوگوں کے لیے ضرور



یہ اندوہ ناک خبر تھی کہ فرینڈز ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا ہے۔ آہ۔ ”وہ رُکی۔“ اسی لیے آج میں نے ماتمی لباس پہنا ہے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں، فرینڈز کے ساتھ میرا دل بھی مر گیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز سے دل چسپی نہیں ہے لیکن چھوڑیے، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ بھی اپنے دوستوں اور مسکراہٹ سے دور ہو جائیں۔ میرے نصیب میں جو لکھا تھا، وہ ہو گیا۔ میرے غم کا سایہ کسی اور پر کیوں پڑے۔ آئیے ہوٹل چلتے ہیں۔“

”مجھے بے حد رنج اور افسوس ہے مس ڈیانا!“ اینڈی نے کہا۔ ”لیکن ابھی ہم ہوٹل نہیں چلیں گے اور ہاں، آئندہ آپ یہ نہ کہیے گا کہ نیویارک میں آپ کا کوئی دوست نہیں۔ میں آپ کا دوست ہوں اور یقین کیجیے، یہ بات خلوص سے کہہ رہا ہوں۔“

”میرے پاس فرینڈز کی تصویر ہے۔“ ڈیانا نے بتایا۔ ”وہ تصویر میں نے اپنے لاکٹ میں لگا رکھی ہے اور لاکٹ ہر وقت گلے میں پہنے رہتی ہوں۔ میں نے یہ تصویر کبھی کسی کو نہیں دکھائی لیکن آج آپ کو ضرور دکھاؤں گی کیوں کہ اب میں آپ کو اپنا حقیقی دوست سمجھتی ہوں۔“ ڈیانا نے تکلف کا لبادہ اتار دیا

گوشتے میں وہ بیچ پر بیٹھ گئے۔ ڈیانا نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”میرا ایک منگیتر تھا مسٹر اینڈی! جلد ہی اُس سے میری شادی ہونے والی تھی۔ وہ ایک نواب تھا۔ اٹلی میں اُس کی جائیداد تھی اور بہت بڑا محل تھا۔ اُس کا نام نواب فرینڈز و میزینی تھا۔ میرے والد اس شادی کے خلاف تھے۔ چنانچہ ایک بار ہم دونوں شادی کے ارادے سے بھاگ نکلے لیکن میرے والد مجھ پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ وہ تعاقب کرتے ہوئے عین موقع پر پہنچ گئے اور مجھے گھر واپس لے گئے۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ میرے والد اور نواب میں لڑائی نہ ہو جائے لیکن نواب سے ایک طویل بحث کے بعد آخر میرے والد نے ہار مان لی اور نواب سے میری شادی کرنے پر رضامند ہو گئے۔ فرینڈز و شادی کے انتظامات کے لیے اٹلی چلا گیا۔ اب میرے والد بہت خوش تھے۔ فرینڈز نے شادی کے اخراجات اور میرے نئے ملبوسات کے لیے میرے والد کو ہزاروں ڈالر دینے چاہے لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا۔ فرینڈز و کے اٹلی جانے کے بعد میں یہاں چلی آئی۔ یہاں آکے میں نے ملازمت کر لی۔“

”تین روز قبل میرے پاس اٹلی سے ایک خط آیا۔ خط میں



فسانہ و خیال کا خوگر، دنیا میں کون ایسا پڑھنے والا ہے جو اوہتری کے نام سے نا آشنا ہو اور مستند و معتبر، لکھے جانے والی کون سی زبان ہے جس نے اوہتری سے مغائرت برتی ہو؟ شاید کوئی نہیں، یقیناً کوئی نہیں۔ عالمی ادب کی شاہ کار کہانیوں پر مشتمل کوئی افسانوی مجموعہ اوہتری کی کہانی کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ یورخیز اور کافکا کے متداحوں کی بات جانے دیجئے۔ کہانی کو کہانی تک رہنے دینے، محض کہانی پر اصرار کرنے والے یہاں سے وہاں سے شماروں کے دلوں میں اوہتری اور سویاساں کے نام جاگزیں ہیں۔ وہ معدودے چند دنیا کے ان خوش بخت ادیبوں میں شامل ہیں جو بار بار شائع کیے جاتے ہیں اور بار بار پڑھے جاتے ہیں۔

ولیم سڈنی پورٹر، گریٹس بورو، شمالی کیروولانڈ، 1862ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے اسکول میں حاصل کی اور پانچ سال اپنے چچا کی دواؤں کی دکان پر کام کیا۔ بیس سال کی عمر میں ٹیکساس منتقل ہو گیا۔ جچین ہی سے ادب کی طرف طبیعت مائل تھی۔ ٹیکساس میں مختصر مدت کے لیے ایک ہفت روزہ جریدے 'رولنگ اسٹون' کا اجرا کیا اور روزنامہ 'ہیوسٹن ڈیلی پوسٹ' میں کالم نگاری کی مشق کی۔ 1884ء میں اینہل اسپیس نامی خاتون سے شادی کی اور ایک بینک میں ملازم ہو گیا۔ نقدی کے لین دین کا کام اس کے شہرہ کیا گیا تھا مگر سترے روٹھے ہوئے تھے۔ بینک کی کسی معاملت میں اپنی سادہ شعاری یا غیر ذمے داری کا شکار ہوا۔ سڈنی پورٹر کے دوستوں کی متفقہ رائے تھی بلکہ انہیں اس کی بے گناہی کا یقین تھا لیکن ہوا یہ کہ سزا کے خوف سے وہ بھاگ کر نیوآرلنس چلا گیا اور یوں خود کو اور مشکوک کیا۔ بیوی کی علالت کی خبر سن کر اسے واپس ہونڈو راس آنا پڑا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور پانچ سال کی سزا طے کی گئی۔ یہ ولیم سڈنی پورٹر کی زندگی کا بدترین دور تھا۔ جیل میں وہ ایک خاموش اور آداس قیدی تھا۔ وہاں اس نے عطار کی حبشیت سے متعلق عملے کی معاونت کی اور خوش اطواری کے ثمر میں اس کی سزا کم کر کے تین سال چند ماہ کر دی گئی۔ اسیری کے دوران اس نے کہانیاں تخلیق کرنے کی طرف توجہ کی۔ زندان میں ایک ساتھی نے اسے کسی کہانی کا خاکہ سنایا تھا۔ سڈنی پورٹر نے دیدہ ریزی سے اس کی صورت گری کی۔ یہ کہانی A Retrieved Reformation بہت مشہور ہوئی بعد میں یال آرم اسٹرانگ نے A Lias Jimmy valentine کے عنوان سے اس کی ڈرامائی تشکیل کی تو جہاں اطراف میں دھوم مچ گئی۔ قید خانے کے ایک محافظ Orrin Henry سے سڈنی پورٹر کی شناسائی گہری ہو گئی تھی۔ اپنے اس دوست کا نام اسے ایسا مرغوب ہوا کہ وہ سڈنی پورٹر سے اوہتری بن گیا۔ پھر یہی نام اس کی شناخت

<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>

اور اینڈی کو دوستانہ انداز میں مخاطب کیا۔ ”تم بہت اچھے آدمی ہو۔“

اینڈی لاکٹ میں جڑی ہوئی فرنیچر کی تصویر دیر تک دل چسپی سے دیکھتا رہا۔ فرنیچر کے چرے سے امدت اور ذہانت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ تن درست اور طاقت ور بھی معلوم ہوتا تھا۔ ایسے اشخاص کو لوگ فوراً اپنا لڈر مان لیتے ہیں۔

ڈیانا نے کہا۔ ”میرے کمرے میں نواب کی ایک بڑی تصویر بھی ہے۔ واپس چل کے میں تمہیں وہ تصویر بھی دکھاؤں گی۔ میرے پاس اس کی کوئی اور نشانی نہیں ہے۔ ویسے اس کی یاد ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔ میں اسے کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔“ اینڈی کچھ سوچ رہا تھا اور اتنی دیر میں اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا، ڈیانا کے حصول کا فیصلہ! اور مقصد میں کامیابی دل جوئی و دل داری کے ایک صبر آزما عرصے کے بعد ہی ممکن تھی۔

وہ ہوش پہنچے تو ڈیانا دوڑ کر اپنے کمرے سے فرنیچر کی بڑی تصویر لے آئی۔ اینڈی نے تصویر غور سے دیکھی۔ ڈیانا نے بتایا۔ ”یہ تصویر اس نے مجھے اٹلی جاتے وقت دی تھی۔“

”بت لہجہ الگ رہا ہے۔“ اینڈی نے ستائشی لہجے میں کہا۔

پھر اُسے تصویر لوٹاتے ہوئے پوچھا۔ ”ڈیانا! میرے ساتھ کوئی آئی لینڈ کی سیر کرنے چلو گی؟“

ایک ماہ بعد لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ دونوں جلد شادی کرنے والے ہیں حالاں کہ ڈیانا اب بھی ماتمی لباس زیب تن کیے رہتی تھی۔

ایک روز وہ دونوں باغ کی اسی بیٹج پر بیٹھے تھے جہاں ڈیانا نے اپنی داستان غم بیان کی تھی لیکن آج اس کے بجائے اینڈی افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خلاف معمول پپ پپ تھا۔ اس کی یہ کیفیت ڈیانا نے محسوس کر لی۔ ”کیا بات ہے اینڈی؟ اتنے خاموش کیوں ہو؟“

”کوئی بات نہیں۔“

”تم پہلے تو کبھی اس طرح غم سُم نہیں ہوئے، کیا معاملہ ہے؟“

”کوئی خاص بات نہیں۔“

”خاص بات نہ سہی مگر کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ وہ بات کسی لڑکی سے متعلق تو نہیں ہے؟ دیکھو، اگر تم مجھے چھوڑ

ٹھہرا۔ سڈنی پورٹر گردوغبار میں اوجھل ہو گیا۔ 1902ء میں نیویارک آگے سابق سڈنی پورٹر حال اوہنری نے امریکی رسالوں اور اخباروں میں بے تحاشا لکھنا شروع کیا اور یوں کہے کہ کوئی دریا زواں ہو گیا۔ اس کے خیال کار ذہن میں نوہ نوع کہانیاں اُمڈنے لگیں، طرح طرح کے خیال اس کے پیکر نگار قلم نے مجسمہ کیے، ایک کے بعد ایک کہانی۔ اوہنری کے رات دن سونے کے ہونے لگے اور وہ ایک نر تعیش زندگی گزارنے لگا لیکن مال و دولت کا احترام بہر حال واجب ہے۔ اوہنری کو یہ رمز معلوم نہیں تھی۔ شاہ خرچی کے لیے بادشاہ ہونا لازم نہیں۔ پیسہ اس کے ہاتھ میں ٹکتا ہی نہیں تھا۔ ناشرین کے لیے وہ سکڑے رائے والی وقت کے مانند تھا۔ وہ اسے ادھار دینے، اس کے ناز اٹھانے پر مجبور تھے۔ آخری دنوں میں وہ مشے ناب کا شیدائی ہو گیا، بلا نوشی کی حد تک اور 48 سال کی عمر تھی کہ ذہن میں مبتلا ہوا اور جل بسا جانے والے نہیں سوچتے کہ ان کے غرض مندوں کا کتنا بڑا زیاں ہے۔ ٹی بی کے غرضے میں اس کی بیوی پہلے ہی جدا ہو گئی تھی۔ ایک بیٹی اور چھ سو سے زائد کہانیاں وہ جھوڑ گیا تھا۔ 48 سال میں یہ تخلیقی اثاثہ معلوم نہیں، ایسے نادر لوگوں کو پاس بلانے میں خدا کو اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے۔

اوہنری کی طرز بیان خدا گانہ تھی، اسی کا خاصہ، اسی سے منسوب۔ سیدھے سادے انداز میں کہانی پھیلاتا اور کسی چونکا دینے والے انجام سے دوچار کر دیتا۔ اس کے بعد جانے کتنے فسانہ کاروں نے اس دل پزیر اسلوب کی تقلید کی لیکن اوہنری کا سحر قائم ہے۔ وہ جو کہتے ہیں "چیمپین کو اس کے میدان میں شکست نہیں دی جاسکتی۔" ان سطور کے لکھنے وقت اوہنری کو گزرے ہوئے 89 سال ہو رہے ہیں۔ اس کی تحریریں آج بھی ترونازہ، انوکھی اور اچھونی ہیں۔ شہر نیویارک سے اس کا تعلق خاص تھا۔ 1944ء میں نیویارک کے کثیر الاشاعت اخبار کے مدیر نے نیویارک پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ لوگوں نے اسے ان لفظوں میں ہدیہ، تنہیت پیش کیا کہ نیویارک کا پرستار وہ دوسرا شخص ہے۔ پہلا اوہنری تھا، جو نیویارک کا دیوانہ تھا۔

"پردے ہٹا دو تاکہ میں نیویارک کا نظارہ کر سکوں۔ میں اندھیرے میں گھر جانا نہیں چاہتا۔"

اوہنری کے یہ آخری الفاظ تھے۔ <https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>

اسی یگانہ روزگار اوہنری کی دو مختصر مختصر، سادہ و پُر اثر کہانیاں ہمارے دو محترم قلم کاروں احمد صغیر صدیقی اور سیمہ انور نے ترجمہ کی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔



ہوا آکر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ دوست! میری شادی ہو رہی ہے، وہ بولا، اینڈی! میں تمہاری شادی میں ضرور شرکت کروں گا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، اس پر عمل ضرور کرتا ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اسے اپنی شادی میں کس طرح مدعو کروں۔

"کیا مطلب؟" ڈیانا نے پوچھا۔

"تم نہیں سمجھ سکتیں ڈیانا! اینڈی نے قدرے پریشانی سے کہا۔ "میں چاہتا تو ہوں کہ ہگ مانگ میری شادی میں ضرور شرکت کرے۔ یہ میرے لیے بہت فخر کی بات ہوگی لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟ اس میں پریشانی کیا ہے؟"

"پریشانی یہ ہے کہ میں اسے مدعو نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" ڈیانا حیران تھی۔

"اسے مدعو نہ کرنے کی ایک وجہ ہے۔" اینڈی نے افسردگی سے کہا۔ "مگر تم وہ وجہ پوچھنا مت کیوں کہ میں تمہیں کچھ بتا نہیں سکتا۔"

"نہ بتاؤ، مگر کیا تم میری طرف دیکھ کے مسکرا بھی نہیں

کر کسی اور کو اپنا چاہتے ہو تو شوق سے اپنا سکتے ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میری قسمت میں اگر غم ہی غم ہیں تو کیا ہوا، میں ہر غم سے لوں گی۔"

اینڈی تڑپ اٹھا۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بتاتا ہوں لیکن بات تمہاری سمجھ میں آئے گی نہیں۔"

اینڈی نے کہا۔ "تم نے کبھی مانگ سولیوین کا نام سنا ہے؟ سب

اسے ہگ مانگ سولیوین کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"میں نے تو کبھی یہ نام نہیں سنا۔" ڈیانا نے کہا۔ "کون ہیں

یہ صاحب؟"

"یہ نیویارک کی ایک انتہائی اہم شخصیت ہے، اتنی اہم کہ

اگر تم اس کے محفل کوئی نئی بات منہ سے نکال دو تو یہاں کے

لاکھوں افراد تم سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ خیر،

میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں لیکن ہگ مانگ میرا دوست ہے۔

یہ اس کا بڑا پین ہے کہ وہ جس طرح اپنے ہم رتبہ لوگوں سے ملتا

ہے اسی طرح ہم چھوٹوں سے بھی دوستی بنا رہا ہے۔ اتفاقاً اس

سے میری ملاقات ہو گئی۔ جانتی ہو، اس نے کیا کیا؟ وہ دوڑتا



کافی دیر بعد ڈیانا نے اپنا ایک اینڈی کے شانے پہ سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس نے اینڈی کا بازو مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔ آنسو اُس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر اینڈی کا لباس تر کر رہے تھے۔ اینڈی اپنی پریشانی بھول کر اُسے سنبھالنے کی تدبیر کرنے لگا۔ ”اینڈی! ڈیانا ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ ”میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا، وہ سچ نہیں تھا۔ میری زندگی میں کبھی کوئی نواب نہیں آیا۔ نہ کسی نے آج تک مجھ سے محبت کی ہے۔ تمام لڑکیوں کا کوئی نہ کوئی محبوب ہوتا ہے لیکن میں تم سے پہلے محبت سے بالکل محروم تھی۔ مجھے دراصل یہ احساس ہے کہ میں سیاہ لباس میں اچھی دکھائی دیتی ہوں اس لیے میں سیاہ لباس پہنے رہتی تھی اور وہ تصویریں میں نے ایک مقامی دکان سے خریدی تھیں۔ جہاں تک نواب کی کہانی کا تعلق ہے، وہ بھی سچ نہیں تھی۔ میں نے اُس کے مرنے کی خبر تمہیں اس لیے سنائی تھی کہ مامی لباس پہننے کا جواز پیدا ہو سکے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے سوا کبھی کسی کو نہیں چاہا۔ تم میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہو، لیکن۔“ ڈیانا نے ایک سرد آہ بھری۔ ”اب مجھ سے کون محبت کرے گا کیوں کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔“

ڈیانا کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی سے عیاں تھا کہ اُسے اینڈی کی برکتی کا خوف ہر اسماں کیے ہوئے ہے۔

لیکن اینڈی نے ڈیانا کو اپنی مضبوط بانسوں میں لے لیا۔ ڈیانا نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ ڈیانا نے جھجکتے جھجکتے دریافت کیا۔ ”کیا تم اب بھی میرے طلب گار ہو؟“

”بے شک۔“ اینڈی نے جواب دیا۔ ”اتھارہا کہ تم نے

سب کچھ صاف بتا دیا اور دل کا بوجھ ہلکا کر لیا۔ مجھے یہی اُمید تھی کہ شادی سے پہلے تم مجھے سب کچھ سچ بتا دو گی اچھی لڑکی!“

ڈیانا کچھ دیر خاموش رہی پھر پٹ پٹاتی پلکوں سے بولی۔

”اینڈی! کیا تم نے نواب کے بارے میں میرے جھوٹ پر یقین کر لیا تھا؟“

”نہیں۔“ اینڈی نے مقبسم لہجے میں جواب دیا۔

”کیوں؟“ ڈیانا نے حیرت سے پوچھا۔

”اس لیے کہ تم نے جو تصویریں مجھے دکھائی تھیں، وہ کسی

اور کی نہیں، میرے عزیز دوست ہگ مائک سویوین کی تصویریں ہیں۔“



Zegham imran

سب تک

جنگل ”افریقہ میں رہ کر وحشی جانوروں کی خوبیوں کا میں سے قائل ہوں۔ جن جنگلوں میں شکار ممنوع ہے اور شر انسانوں کی آمد و رفت کم ہے، وہاں جانور فطرت کے قانون پر عمل کرتے ہیں اور ان میں مہذب تک انسان کی خود غرضی، شور و پستی، تعصب و عداوت کی نظیر کم ملتی ہے۔ شیر حکم سیر ہو تو ہرن اور نیل گائے بے خطر اس کے پاس سے گزر جائیں، وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جنگل کے بیشتر جانور گوشت خور نہیں ہوتے۔ ایک بار میں نے شیر کے دو جوڑوں کو ایک زبیر کا شکار کرتے دیکھا۔ جب وہ اُسے مار چکے تو جس جوڑے نے اس کا کام تمام کیا تھا، وہ پہلے اسے نوش جان کرنے لگا اور دوسرا جوڑا دور کھڑا اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔ جب آدھا زبیر ختم ہوا تو شیر اور شیرنی وہاں سے ہٹ گئے اور دوسرے جوڑے کی باری آئی۔

یہ شائستگی اُس کھڑے کھانے (بونے) میں دیکھنے میں نہیں آتی جہاں لوگ میزوں پر ایک دوسرے کے منہ سے لقمہ نوچتے رہتے ہیں۔ مجھے وہ واقعہ یاد آیا جب نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنی کراچی کی رہائش گاہ میں دعوت کا انتظام کیا تھا اور باغ میں میزوں پر انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ جب مہمان میزوں پر بے تحاشا ٹوٹے تو مولوی عبدالحق ہاتھ میں رکابی لیے بھونچکا کھڑے رہ گئے۔ وزیراعظم نے پاس آکر پوچھا کہ مولوی صاحب! آپ کھانا نہیں کھا رہے ہیں؟ تو اُنہوں نے شک کر کہا کہ ”جناب بھیک کا پیالہ لیے کھڑا ہوں۔“ معزز میزبان مادم ہوئے اور ان کے لیے الگ میز پر کھانا لگایا گیا۔ میں بھی ان کے پاس جا بیٹھا۔ وہ سارے وقت کھڑے کھڑے کھانے کی لغویت کا ذکر کرتے رہے۔“



ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کی خود نوشت ”گورد راہ“ سے ایک اقتباس۔ تعاون، خان ظفر افغانی

سکتے۔“ ڈیانا نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

اینڈی مسکرا دیا لیکن منہ سے اُس نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر اینڈی گویا ہوا۔ ”ڈیانا! کیا تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے جتنی نواب سے تھی؟“ ڈیانا نے چپ سادھ لی جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ اینڈی اُس کے جواب کا انتظار

کر رہا۔